التقریظ والانتقاد

مختصر سیرت قرآنیہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از :

(سعید احمد)

(۲)

الحمد کے ترجمہ میں فرماتے ہیں "الحمد" کسی دیوتا کی جے پکارنا یا اس کی تعریفیں کرنا.... ...یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ کے نام کی جے پکارو۔ اسی کے نام کو بلند کرو" الخ" اگرچہ موصوف نے صفحہ ۲۷ پر یہ ترجمہ کرنے کے بعد خود صفحہ ۸۷ پر اس لفظ کا ترجمہ وہی کیا ہے جو عام اور متداول ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ " کل حمد اللہ کے لئے ہے جو سب کا بادشاہ ہے" اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں ترجمے لائق مصنف کے نزدیک ایک ہی ہیں یا ان کا مفہوم الگ الگ ہے اگر مفہوم مختلف ہے تو آپ ایک جگہ ایک ترجمہ کرتے ہیں اور دوسری جگہ دوسرا۔ حالانکہ الحمد للہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ایسی صورت میں کس کو صحیح مانا جائے اور کس کو لغزش قلم کہا جائے اور اگر آپ کے نزدیک دونوں ترجمے متحد المفہوم ہیں تو پھر خواہ مخواہ شاہراہ عام سے عدول کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

علاوہ بریں اس دوسری صورت میں ہم عرض کریں گے کہ (۱) جے ہو خدا کی اور (۲) سب حمد اللہ کے لئے ہے۔ ان دونوں کے مفہوم میں بنیادی طور پر بڑا فرق ہے۔ "جے ذی روح کی بھی ہو سکتی ہے اور غیر ذی روح کی بھی۔ جیسے " جے ہند" اور گاندھی جی کی جے " لیکن حمد چونکہ "الثناءُ علی الجمیل الاختیاری" یعنی اختیاری اور ارادی افعالِ جمیلہ پر ہی تعریف کرنے کا

نام ہے اس بنا پر ظاہر ہے کہ وہ ذی روح کی اور صاحب مشیت وارادہ کی ہی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی " اعل ھبل (ترجمہ ہو ھبل کی) کا نعرہ لگاتے تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر یا الحمد للہ پکارتے تھے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ ہے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "کسی مشرک کے متعلق یہ کہیں کہ اس نے نہ رسول اللہ کی تصدیق کی نہ نماز پڑھی تو اس میں صلیٰ کا ترجمہ غلط ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اول تو اس وقت صلاۃ کے معنی بھی دوسرے تھے۔ دوم یہ کہ اصطلاحی نماز کی کسی مشرک سے کیسے امید کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس ابتدائی دور میں صلی کے معنی وہی ابتدائی معنی سلام کرنے یا حلم وانکسار و تہذیب سے گفتگو کرنے کے ہوں گے نہ کہ نماز پڑھنے کے" (ص ۶۳)

گذارش یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے اور قرآن مجید کی آیات بھی بتاتی ہیں کہ صلوٰۃ کبھی بغیر رکوع وسجود وقیام وقعود کے نہیں ہوئی۔ نماز کے یہ ارکان صرف اسلام کی ایجاد نہیں بلکہ کتب قدیمہ یعنی تورات، زبور اور انجیل میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ تدریجی نزول جو کچھ ہے وہ صرف اوقات سے متعلق ہے۔ مکہ کے شروع سالوں میں صرف رات میں نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ پھر مسلمانوں کو جتنی آزادی اور قوت حاصل ہوتی رہی اسی کے مطابق نماز کے اوقات میں اضافہ ہوتا رہا۔ صلوٰۃ کے معنی اگرچہ دعا وسلام کے اور درود بھیجنے کے آتے ہیں جیسے اِنَّ اللّٰہ وَمَلٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں، لیکن جس صلوٰۃ کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کبھی بھی محض سلام کرنے یا حلم وانکسار وتہذیب سے گفتگو کرنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوئی۔ رہی دوسری وجہ یعنی یہ کہ مشرک نے جب تصدیق ہی نہیں کی تو اصطلاحی نماز کا مکلف کیسے ہوگا؟ تو بات یہ ہے کہ یہاں ولا صلے کا عطف فلا صدق پر عطف المسبب علی السبب ہے۔ اور یہ عام بول چال اور محاورات میں شائع ذائع ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ کتاب سے متعلق ضمنی اور جزوی گفتگو تھی۔ اصل چیز جس کی طرف کتاب رہنمائی کرتی ہے اور جو اس کا خاص موضوع و مقصد تالیف معلوم ہوتا ہے اور جو اس کتاب کا سب سے زیادہ خطرناک اور گمراہ کن پہلو ہے وہ، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک اسلام کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دوسری قومیں جن میں سے ہر ایک کے پاس پیغمبر آئے کچھ بغیر کتاب کے اور کچھ کتاب الٰہی لے کر وہ پروہتوں۔ پجاریوں۔ اور احبار و رہبانین کے زیر اثر آکر اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات کو بھول چکے تھے اور بجائے خدا پرستی کے مختلف طاقتوں اور قوتوں کی پوجا کرنے لگے تھے اسلام نے آکر صرف یہ کیا کہ ان قوموں کو ان کی مذہبی تعلیمات یاد دلائیں اور ان سے ایک ہی مطالبہ کیا کہ تم اپنے مذہب کے سچے پیرو بنو اور اس کی تعلیمات پر عمل کر کے خدا پرستی کرو اور نیک کام کرو۔ جناب خاں صاحب کے نزدیک اسلام کا صرف یہی ایک مشن تھا اور بس! اپنے اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسلامی عبادات کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ گویا ان کی نہ کوئی خاص اہمیت ہے اور نہ ضرورت، چنانچہ نعبد کا ترجمہ بتاتے ہوئے صاف صاف لکھتے ہیں کہ "ہم دوسروں کے عبد نہیں۔ صرف تیرے عبد۔ بندے رب کے یا آقا کے ہوتے ہیں" پھر قوسین میں اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "مقصد عبودیت کا اظہار ہے نہ کہ عبادت دپوجا و قربانی" اس کے بعد لکھتے ہیں "اس کے علاوہ جمع کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بندگی جماعتی ہو۔ انفرادی نہ ہو" (ص ۴۷) علاوہ بریں نماز اور روزہ کی جو حقیقت موصوف نے بیان کی ہے اس کا ذکر گذشتہ شمارہ میں آچکا ہے۔

(۲) سورۂ الحمد میں منعم علیہم اور مغضوب علیہم کا ذکر ہے۔ اور خود قرآن مجید کے بھی بیان کے مطابق منعم علیہم وہ لوگ ہیں جو احکام خداوندی کا اتباع کرتے ہیں خواہ دنیوی

اعتبار سے وہ کیسے ہی غریب، مفلس اور قلاش ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں یہ بھی وہی ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جیسے نبی صدیق، شہداء اور صالحین یہ کتنے اچھے رفیق ہیں

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ میں جن منعم علیہم کا ذکر ہے وہ احکام خداوندی پر ظاہراً و باطناً عمل کرنے والے لوگ ہیں۔ اس سے ہرگز بحث نہیں کہ دنیوی اعتبار سے ان کی حالت کیا ہے؟

اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مغضوب علیہم اور ضالین کون لوگ ہیں؟ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کا راستہ صراط مستقیم ہے جو سراپا اعتدال ہے۔ اس کے برخلاف جو راستہ ہوگا جیسا کہ علم الاخلاق سے واضح او ثابت ہے وہ دو قسم کا ہوگا ایک تفریط کا اور دوسرا افراط کا۔ تفریط یعنی سستی، بے پروائی، بے اعتنائی اور عدم توجہ کا راستہ اختیار کرنے والوں پر خدا کا غضب نازل ہوگا اور افراط یعنی بے جا غلو اور غیر ضروری انہماک و تجاوز عن الحد کے راستے پر چلنے والے گمراہ ہونگے، مفسرین نے اسی بناء پر مغضوب علیہم سے مراد یہود لئے ہیں کہ وہ تفریط میں مبتلا تھے اور یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن تعطیل منانے اور اس روز کسی کام کے نہ کرنے کو بھی سب سے بڑی عبادت سمجھتے تھے۔ اور ان کے برعکس نصاریٰ تھے جنھوں نے راہبانہ زندگی کو عبادت کا لازمی جز بنا کر خواہ مخواہ اپنے اوپر تشدد کیا تھا۔ چنانچہ قرآن کو تنبیہ کرنا پڑا لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ[1]

بہر حال تقریر بالا سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ کا انعام، غضب اور ضالین کا ضلال جو کچھ بھی ہے وہ احکام الٰہی کا اتباع اور عدم اتباع ہے۔ اگرچہ خدا نے جیسا کہ وعدہ کیا ہے پہلے طبقہ کو

---

[1] راقم الحروف کے نزدیک یہود و نصاریٰ کے ساتھ مغضوب علیہم اور ضالین کی تخصیص صحیح نہیں اس کا مصداق ان لوگوں کا ہر وہ طبقہ ہے جو احکام خداوندی کے اتباع میں افراط و تفریط سے کام لیتا ہے، خواہ یہ لوگ مذہبی قومیت کے اعتبار سے یہود ہوں۔ یا نصاریٰ، مجوسی ہوں یا خود مسلمان! مسلمانوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک مغضوب اور ضالین یہود اور نصاریٰ ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

دنیوی انعامات بھی ملیں گے اور دوسرا اوہ متیسر طبقہ ان سے محروم ہوگا خواہ جلد ہو یا بدیر لیکن بہرحال دنیوی انعام صرف ایک ثمرہ ہے اصل مقصد نہیں۔ دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی جو لوگ احکام خداوندی کا اتباع صدق دل سے کریں گے ان کو دنیوی انعامات یعنی اقتدار۔ معاشی رفاہیت اور صحت و تندرستی ضرور ملیں گے۔ لیکن جو دنیوی نعم کے مالک ہوں ضروری نہیں کہ وہ قرآن کی اصطلاح میں منعم علیہم بھی ہوں۔ لیکن پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب کے نزدیک چونکہ رضاء و عدم رضائے الٰہی کا معیار ہی دنیوی نعمتیں ہیں اس لئے "اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کے ترجمہ میں بھی انھوں نے قرآن کی عام مراد کے برخلاف یہ ہی جدت کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"دنیوی انعامات والی قومیں جو اہل کتاب (یعنی مہذب) اور قانونی زندگی بسر کرتی ہیں۔ دنیا میں فساد کی جگہ ترقی اور امن کی علمبردار ہیں اللہ کے اس قانون کی پابند ہیں کہ سب انسان برابر ہیں اور بھائی بھائی ہیں لہذا نہ ایک دوسرے کو لوٹتی ہیں۔ نہ خود غرضی سے کسی کی زندگی تلخ کرتی ہیں"

(۳) شریعت اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسلام ایک کامل و مکمل مذہب ہے بے شبہ اس کی بنیاد بھی دوسرے مذاہب کی طرح خدا پرستی اور اعمال صالحہ پر ہے۔ لیکن اسلام اس بارہ میں گول مول باتیں نہیں کرتا بلکہ صاف صاف بتاتا ہے کہ خدا پرستی کا مطلب کیا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟ اعمال صالحہ کون کون سے اعمال ہیں؟ ان کی شکلیں اور صورتیں کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں اسلام ایک ایسا جامع، ہمہ گیر اور مکمل نظام پیش کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہیں حالانکہ پوری تاریخ اسلام گواہ ہے کہ مسلمان کہلانے والوں پر بھی کتنی مرتبہ اللہ کا غضب نازل ہوا ہے اور کتنی مرتبہ وہ ضال بن گئے ہیں۔ آخرت میں جو بھی معاملہ ہوا سے تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن دنیوی زندگی میں غضب الٰہی اور ضلال کے جو مظاہر ہیں مسلمان بھی احکام الٰہی میں افراط و تفریط کے باعث ان سے محفوظ نہیں رہے اور کتاب الٰہی کی عالمگیری کا تقاضا بھی یہی ہے

پر خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی حاوی ہے اسلام انھیں تمام عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اگر آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو اس نظام کو من حیث الکل قبول کرنا ہوگا۔ اس بات کی اجازت ہرگز نہیں ہوگی کہ آپ بنو اسرائیل کی طرح "نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ" کہیں۔ اور اس مجموعہ کے بعض جزکو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اس بنا پر اسلام درحقیقت نام ہے فکر و عمل کو ایک خاص سانچہ میں ڈھالنے کا۔ اور ایک نہایت مرتب۔ منظم اور متوازن و ہموار زندگی بسر کرنے کا۔ لیکن ہمارے فاضل دوست کے نزدیک اسلام کیا ہے؟ ذرا خود ان کی زبانی سنیئے! غزوۂ احد سے متعلق آیت قرآنی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) کیا اسلام کی تعلیم احد سے پہلے ختم ہو چکی تھی؟ اور (۲) کیا یہ تعلیم وہی تھی جو پہلے رسول دے چکے تھے؟ لیکن یہ بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ دشمنان رسول نے آپ کو ہجرت سے پہلے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی تو کیا اسلام ہجرت سے پہلے آچکا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آچکا تھا۔ ہجرت سے پہلے ہی نہیں بلکہ شعب ابی طالب میں ۷ نبوی سے پہلے بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ آنحضرتؐ کے ذریعے جو اسلام دنیا میں آیا وہ غار حرا کی پہلی وحی میں آچکا تھا اور آنحضرتؐ نے بعد کے زمانے میں مختلف قوموں سے اس کی تشریحیں کیں۔ ورنہ پیغام یہی تھا کہ اللہ کو مانو اور غیر اللہ کے آگے نہ جھکو۔ وہی خالق ہے وہی آقا ہے۔ وہی علیم ہے۔ شیطان یا شیطان کے بندوں کو نہ تو کسی طرح کا خدائی علم ہے نہ وہ خدا کی طرح خالق ہے۔ پورا قرآن اسی پیغام کی تشریح ہے (ص ۳۳-۳۴)

اتنا لکھنے کے بعد خان صاحب کو خود اس کا احساس ہوا کہ اگر ان کی تحریر کے مطابق اسلام واقعی غار حرا کی پہلی وحی میں ہی آچکا تھا تو پھر قرآن مجید کی آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" جو سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اس سوال کا جواب خود ہی دیتے ہیں ظاہر ہے کہ "کم" سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین قدیم یعنی اسلام کے نئے ماننے والے تھے ورنہ دوسری قوموں میں رسول آچکے ہیں ان کے لئے وہی تعلیم کافی تھی اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم ہے کہ پرانے نبیوں کی تعلیمات پر قرآن کی روشنی میں تحریفوں سے پاک کر کے عمل کرو گویا پہلی وحی کے بعد آنحضرت کی وفات ہو جاتی تو ہم دینی معاملات میں پرانی اللہ کی کتابوں سے ہدایت لیتے یہی حکم یہود کو دیا گیا کہ توراۃ کے مطابق حکم کرو......... اسی طرح ہر کتابی کو حکم ہے کہ اللہ کو مان کر اپنی کتاب پر عمل کرے اور خود آنحضرتؐ کو یہی حکم دیا گیا کہ خدا پرستی کے دین قدیم پر عمل کریں ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی اصل تعلیم قرآن خدا پرستی ہے اور اسی لئے اہل کتاب کو توحید کلمہ کی دعوت دی تھی۔

(باقی آئندہ)